سوال

(24) عمل میں تقدیر کا عمل

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

تقدیر کیا ہے ؟ اور انسان جو کچھ کر رہا ہے اچھا یا برا کیا وہ مشیت الٰہی کے تحت کر رہا ہے ؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!
الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

اللہ کی قسم اگر یہ سوال ملحدوں یعنی دین اسلام کے دشمنوں کی طرف سے نہ ہوتا تو اپنے قلم کو ہرگز حرکت میں نہ لاتا، کیونکہ اس مسئلہ میں بے جا غور وخوض کرنا مومن کے لیے بے حد نقصان دہ ہے، لیکن دین اسلام کے دشمنوں کی سازش اور عوام کو گمراہ کرنے کی سوچی سمجھی ناپاک کوشش کو مدنظر رکھ کر اس موضوع پر قلم اٹھاتا ہوں اور اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے حق کا کلمہ کہنے کی توفیق عطا فرمائے اور کلمہ حق تحریر کرنے کے لیے راہ آسان بنائے اور اپنے فضل سے میری ہر جگہ پر رہنمائی فرمائے۔ اللھم آمین

کوئی بھی کام کرنا ہوتا ہے یا کوئی جگہ بنانی ہوتی ہے، کوئی گاوں یا شہر آباد کرنا ہوتا ہے یا کوئی کارخانہ وغیرہ جاری کرنا ہوتا ہے مطلب کہ کوئی بھی اسکیم بروئے کار لانی ہوتی ہے تو اول اس کا نقشہ، اس کے اجزا، اس کے تمام پرزوں اور اس کے لوازمات اور ان میں واقع

اشیاء کی ترتیب اسی طرح اس کے متعلق کئی اشیاء کا تصور اور خاکہ، نقشہ یا نمونہ، ان کی ترتیب وترکیب، ان کے اجزاو لوازمات کے موضوع کی تقسیم اور ان کی ظاہری ہیئت اور کیفیت پورے کی پوری اولا تو ذہن میں بٹھانا پڑتی ہے، اس کے بعد اس کا مکمل خاکہ کو سپرد قرطاس کیا جاتا ہے بعد ازاں اس کے مطابق اس اسکیم کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو پوری طرح ذہن میں لانے کے بعد اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، اللہ کی توفیق سے۔

پہلے چند اہم نکتے ذہن نشین کر لیجیے۔

الف : ۔۔۔۔۔۔ انسان کے سوا باقی پوری کائنات کا جس کا مشاہدہ کرتے ہیں انسان کے لیے ہی پیدائش ہے :

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ : ۲۹)

''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے۔''

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (الجاثیہ: ۲۹)

''اور اللہ تعالی نے تمہارے لیے جو آسمانوں میں اور جو زمینوں میں ہے اس کو تابع بنایا۔''

بہر حال اس کائنات کے تمام اجرام علویہ وسفلیہ انسان کے تابع بنائے گئے ہیں اور انسان کے کام، منفعت اور فائدے کے لیے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج انسان چاند وغیرہ پر کمند ڈال رہا ہے، یعنی یہ سب کچھ جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ سارا انسان کے کام آتا ہے، اگر یہ نہ ہوتے یا کچھ وقت کے لیے انسان کی دسترس سے دور ہو جاتے تو انسان بڑی مصیبت میں پڑ جاتا، لیکن اگر انسان نہ ہوتا تو ان اشیاء کو کوئی نقصان نہیں ہوتا، کئی انسان آرہے ہیں، اور جارہے ہیں لیکن انسان کی آمد ورفت کا ان پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، کسی بڑی ہستی کی موت پر کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا ہے کہ سورج نے طلوع ہونا چھوڑا ہو یا دریا نے بہنا بند کیا ہو، یا سیارات اور ستارے غیر متحرک ہوئے ہوں بلکہ وہ اپنی مقرر ڈیوٹی ادا کرتے رہتے ہیں، لیکن اگر سورج طلوع نہ ہو یا لمبا عرصہ غائب رہے یا دریا بہنا بند یا کم پانی آئے تو خود سوچو کہ حضرت انسان کا کیا حال ہوتا۔

خلاصہ کلام کہ پوری کائنات انسان کے لیے ہے اور اس کی ضرورت کو پورا کر رہی ہے، مگر خود حضرت انسان ان میں سے کسی کے بھی خاص کام کے لیے نہیں ہے اگر وہ انسان چلا جائے تو ان پر کوئی نقصان یا اثر نہیں ہوتا وہ اپنا دائمی فرض بجالاتے رہتے ہیں۔

ب: ۔۔۔۔۔۔ جب اتنی بڑی وسیع کائنات انسان کے لیے ہے اور انسان ان کے کسی کام کا نہیں ہے تو پھر خود انسان کس کام کا ہے، جب انسان اس کائنات پر حکمرانی کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ پوری کائنات سے اشرف ہے، کیونکہ حاکم جن پر حکمرانی کرتا ہے وہ ان سے اعلی ہوتا ہے تو پھر کیا عقل اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ کارآمد ہے اور وہ ہمارے لیے مفید خدمت سرانجام دے رہا ہے اور اس کا حکمران نکما اور بالکل بے مقصد و بے غرض وغایت نفع اور فائدہ سے یکسر خالی اور محروم ہے؟ عقل ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کرے گی، پھر سوچنا ہے کہ اس حکمران انسان کی تخلیق وپیدائش کی غرض وغایت کیا ہے، اس کو کیا فرائض انجام دینے ہیں؟ اس کا جواب بھی قرآن میں موجود ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات: ۵۶)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

یعنی جس طرح یہ پوری کائنات انسان کی خدمت کر رہی ہے اور اس کے فائدے کے لیے ہے، انسان جو بھی کام اس سے لینا چاہتا ہے وہ اس کے اس اردے کی تکمیل سے انکار نہیں کرتے بلکہ وہ جو کام بھی چاہے جائز ہو یا ناجائز لینا چاہے گا وہ ان کے حکم کی بجاآوری سے سرتابی نہیں کرتے۔ اسی طرح انسان اللہ سبحانہ وتعالی کی بندگی بجالانے کے لیے اس خطہ ارضی پر آیا ہے تاکہ وہ اپنے حقیقی خالق بے حد رحم وحلم والے رب کے ہر معاملے پر کام کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں مرضی دیکھے اور اس کے حکم ارشاد رہنمائی اور مرضی کے مطابق چلے، انہی نکتوں کا نتیجہ اللہ کی کتاب ورسل علیہم السلام اور اس کے اوامر ونواہی زندگی کی طرز بود وباش کے متعلق رہنما اصولوں کی صورت میں اس دھرتی پر تشریف لائے کیونکہ جب انسان کو اللہ کی مرضی کے مطابق چلنا تھا تو لامحالہ اس کو یہ علم بھی دینا تھا کہ زندگی کے گوناگوں شعبوں کے متعلق اس کے رب کی کیا مرضی اور حکم وارشاد ہے، اس کے لیے وحی کی ضرورت تھی۔

ج: ۔۔۔۔۔۔ انسان اس دنیا میں ایک بڑی آزمائش اور امتحان گاہ میں ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الکھف: ۷)

''زمین پر جو کچھ ہے اس کو ہم نے ان کے لیے خوبصورت بنایا تاکہ انسان کی آزمائش کی جائے کو کون ہے جو نیک عمل کرتا ہے۔''

یہ آزمائش اس لیے نہ تھی کہ اس کو پتہ ہی نہ تھا، بلکہ اس لیے کہ یہ اس کا دستور ہے کہ وہ کسی کو بھی بغیر علم خواہ نیک ہو یا یہ کہ محض اپنے علم کے مطابق جزا اور سزا دے بلکہ کوئی بھی انسان جب بد ارادہ کرتا ہے تو اس وقت تک اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا جب تک ارادے کے مطابق عمل نہ کر لے۔ اسی طرح سورہ ملک میں فرمایا:

لَذِی خَلَقَ لْمَوْتَ وَ لْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:۲)

''وہ اللہ مالک الملک جس نے موت اور حیاتی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ کون ہے تم میں سے جو نیک عمل کرتا ہے۔''

بہر حال یہ دنیا امتحان کی جگہ یا Examination ہے، تاکہ ان لوگوں کا امتحان لیا جائے کہ وہ جس عظیم مقصد کے لیے اس کرہ ارض پر آئے ہیں وہ مقصد کس طرح انجام دیتے ہیں، آیا بریقہ کمال یا کم یا اس سے زیادہ یا بالکل اصل مقصد کے خلاف۔

د: ۔۔۔۔۔۔ جب یہ دنیا امتحان گاہ اور ابتلاء کا مقام ہے تو ظاہر ہے کہ انسان کے سامنے دونوں راستے آئیں خیر و شر، نیکی اور بدی کی سمجھ آئے اور ان میں فرق کا بھی الہام کیا جائے اللہ کی پسند اور ناپسند کی معلومات ہو۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم ان دو آیات کریمہ میں ارشاد ہے:

وَهَدَيْنٰهُ لنَّجْدَيْنِ (البلد:۱۰)

''انسان کو دونوں راستے خیر و شر کے دکھائے۔''

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس:۸)

''اور نفس انسانی کی طرف برائی اور پرہیزگاری کا بھی الہام کیا۔''

جب انسان کے سامنے دونوں راستے ہیں اب چوائس اور انتخاب کا سوال پیدا ہوا، یعنی دونوں میں سے کسی راستے کا انتخاب کرے، اس لیے آزمائش خاطر یہ بھی ضروری تھا کہ انسان کو اتنا اختیار ملے کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی مرضی اور ارادے کے مطابق اختیار کرے۔ اسی لیے اس کو اپنے کسی بھی ارادے کو عمل میں لانے کی قوت اور اختیار دیا گیا ہے، آزمائش کے لیے ضروری ہے کہ جس کو آزمایا کائے اس کو دونوں اطراف میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی قوت ہو ورنہ اگر اس کو غلط یا برائی کا راستہ اختیار کرنے کا ایک قسم کا اختیار ہی نہ ہوتا تو پھر انسان، جمادات کی طرح ہوا یا مشینی صفت انسان ہوا جس کو نہ اپنا شعور ہے نہ کوئی ارادہ یا اختیار چلانے والے نے اس کو چلا دیا تو چل رہی ہے جب بند کیا تو بند ہوگئی، نہ اپنے ارادے سے حرکت میں آئی اور نہ ہی اپنے ارادے سے حرکت کو بند کیا ایسے انسان کے لیے جزا و سزا کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مثلاً کوئی انسان مجنون یا دیوانہ ہے تو مرفوع القلم ہے، کسی کام کی وجہ سے شرعاً اسے سزا نہیں، کیونکہ اس میں عقل نہیں ہے، لہٰذا اس کے کام بے اختیار ہیں، عقل و ارادہ ماتحت نہیں ہیں۔ بہر حال انسان کو صاحب الارادہ والاختیار بنایا گیا ہے، تاہ وہ اپنے اختیار سے کسی بھی راستے کا انتخاب کر لے اسی کے مطابق چلے اور پھر اس کا نتیجہ دیکھے۔

یہی ارادہ اور اختیار کسی حد تک آزادی کے ساتھ سارا امتحان اور اس کی جزا و سزا کی بنیاد ہے۔

ہ: ۔۔۔۔۔۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان کو اتنا اختیار دے کر اس امتحان حال میں کیوں لایا گیا ہے؟ یا ان کے آزمائش کی کیا ضرورت تھی؟

اس کے لیے یہ گذارش ہے کہ اول تو یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذاتی معاملہ ہے ہم اس کے بارے میں کیا قیاس آرائی کر سکتے ہیں، تاہم ہمارے ناقص علم اور فہم میں جو حقیقت آئی ہے وہ یہاں عرض کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم) انسان کی اس طرح صورت ری کر کے اسے گوناگوں لیاقتوں سے مزین بنا کر مختلف قوتوں سے مسلح بنا کر اور قدرے اختیار دے کر اس عالم رنگ

وبو میں آزمائش کے لیے آمد سے اللہ تعالیٰ کی کتنی صفات حمیدہ کا ظہور ہوا اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات پاک میں غنی و حمید ہے، لیکن اگر ان صفات اور لیاقتوں والا انسان نہ ہوتا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفت عدل، رحم، فضل، کرم، حلم بردباری، غفاریت والی صفت اور ہر چیز کے خالق ہونے کی صفت (پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ ساری کائنات انسان کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے) بندوں سے محبت کرنا، عفوودرگزر سے کام لینا کی صفات وغیرہ وغیرہ آخر وہ کس طرح ظہور پذیر ہوئیں۔ ملائکہ (فرشتے) تو پہلے پیدا تھے مگر صرف ان کی پیدائش سے یا ان کی موجودگی سے اوپر ذکر کی گئی بے شمار صفتوں کا ظہور نہ ہوا کیونکہ ان فرشتوں کو کوئی اختیار نہیں ہے، لہٰذا وہ کون سی خطائیں کہ الہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو صفت غفاریہ سے معاف کرتے، ان میں ظلم کا مادہ نہ تھا اور نہ ہی اس کو اختیار کرنے کی ان میں قوت تھی، پھر اللہ تعالیٰ کی صفت عدالت کا کس طرح ظہور ہوتا۔ علیٰ ہذاالقیاس دوسری کئی صفات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر اتنی ساری مخلوق مع انسان پیدا نہ کرتے تو ان کو کون پہچانتا اگرچہ وہ خود تو ہمیشہ ہی سے اپنی ذات کے اعتبار سے غنی، حمید اور مجید تھا۔ اسی طرح اس بااختیار انسان کو اس عالم میں بھیجنے سے کیا وجود میں آیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے متعلق فرشتوں کو فرمایا:

أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (البقرۃ:۳۰)

''یعنی انسان میں کیا کیا خوبیاں ہیں وہ کیا کیا کر سکتا ہے، اس کو کتنا بڑا علم دیا گیا ہے، اس میں کتنی سمجھ رکھی ہے۔ اس کا علم آپ کو نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا ہی نتیجہ ہے کہ انسان زمین تو زمین مگر اجرام علویہ کے تسخیر کے احوال جاننے کے لیے کمر بستہ ہو گیا ہے جن میں کچھ تک تو قدرے پہنچ بھی گیا ہے اور یا کیا عجیب و غریب چیزیں ایاد کر دیں، یہی روز بروز کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے کیا یہ سارا کچھ علم کا کرشمہ نہیں ہے؟ بہر حال اللہ تعالیٰ کے لئے بڑے بے انتہا کا ظہور بھی انسان کی تخلیق سے ہوا۔ مشہور مقولہ ہے ''حرورت ایجاد کی ماں ہے'' یعنی جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے حل کے لیے انسان کوئی نہ کوئی ایجاد یا راستہ تلاش کرتا ہے تاکہ اس کی وہ ضرورت و حاجت پوری ہو جائے، اب سوچنا چاہیے کہ اگر ان ضرورتوں اور صفتوں والا انسان نہ ہوتا تو اس دنیا کی کسی بھی چیز سے کوئی ایجاد نہ ہوتی، اس کائنات کے ذرے ذرے میں بے شمار قوتیں اور فائدے مالک کائنات نے رکھے ہیں۔ ان کا کبھی بھی ظہور نہ ہوتا، لیکن جب جب انسان کو ضرورتیں لاحق ہوتی گئیں۔ تب تب وہ اس کائنات کے کیمیاء مظاہر اور اشیاء سے وہ خفیہ قوتیں اپنے تجربہ اور سائنس کے علم سے ظاہر کر کے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور اسی ابتلا اور بااختیار ہونے کی صورت سے انسان میں باقاعدہ ترقی کرنے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والا جزبہ پیدا ہوتا ہے، ورنہ مشینی صفت مخلوق کیسی بھی ہوتی اس سے ایسی ایجادات وجود میں نہ آئیں۔ وہ تو اپنی حرکت میں لانے والی تحریک پر ایک خاص سمت یا ڈائریکشن پر چلتا رہتا، دوسری طرف توجہ کرنا یا ترقی کرنے کا شعور ہی نہ ہوتا۔ لہذا ترقی یا گونا گونی اور رنگا رنگی طرز و بود و باتوں کا تو خیال ہی نہیں آتا کیا یہ معمولی بات ہے؟ کیا یہ بڑی حکمت نہیں ہے جو کہ ایک حکیم علیم ہستی کی طرف رہنمائی کر رہی ہے؟ اس پر خوب غور کرنا چاہیئے۔

و:۔۔۔۔۔ انسان کو اتنے اختیار اور ارادے کو عمل میں لانے کی آزادی کی وجہ سے اس عالم میں لامحالہ نمونے ظاہر ہونے تھے کوئی خیر کو تو کوئی شر کو اختیار، کوئی اعلی سے اعلی تو کوئی اسفل السافلین کی طرف جانے کی سعی کرتا۔ کوئی بلند اخلاق کا مجسمہ ہوتا تو کوئی بداخلاقی کی بدترین مثال ہوتا۔ کیونکہ بدی کا اختیار اس سے سلب کیا جاتا تو آزمائش کا بنیادی ختم ہو جاتا۔ جس طرح تفصیلا ذکر کر چکے ہیں۔

ز:۔۔۔۔۔ اللہ تعالی نے انسان کی فطرت بالکل صحیح و سالم اور دین اسلام کے مطابق بنائی ہے جس طرح قرآن میں ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم:۳۰)

''پس آپ اپنے چہرے کو یا توجہ کو دین پر قائم رکھیں اس حال میں کہ تو باطل سے حق کی طرف جانے والا ہوتا۔''

یعنی وہ دین اسلام جس کے مطابق اللہ تعالی نے انسانوں کی فطرت بنائی ہے۔ صحیح حدیث بخاری وغیرہ میں ہے کہ:

((کل مولود یولد علی الفطرۃ)) (الحدیث)

''ہر بچہ اپنی صحیح فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔''

اسی طرح سورۃ التین میں اللہ تعالی فرماتے ہیں :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین :٤)

''بے شک ہم نے انسان کو ایک بہترین بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔''

بہر حال کسی بھی ماحول یا خاندان میں بچہ کا تولد ہو مگر وہ اپنی ماں کے پیٹ سے صحیح فطرت لے کر باہر آتا ہے، یعنی کسی کو مسلمان یا کافر بنا کر پیدا نہیں کرتا، لیکن اس عالم میں آنے کے بعد ماحول، سوسائٹی، خاندان اس کے رسم ورواج اور اس کے علاوہ دوسرے کئی اسباب اس کی فطرت کو بگاڑنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ان کا فوری تدارک ہوا تو زائل ہو جاتے ہیں ورنہ آگے چل کر وہ لاعلاج اسٹیج پر پہنچ جاتے ہیں۔ (اعاذنا اللہ منہا)

بہر صورت انسانی فطرت تو سب کی صحیح ہوتی ہے، اس میں کوئی فرق نہیں، البتہ انسانی لیاقت صلاحیت، استعداد اور انسان میں رکھی ہوئی قوتوں میں کافی فرق ہوتا ہے، ایک انسان میں قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے تو کئی انسانوں میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، کسی انسان میں کائی خاص لیاقت ہوتی ہے تو دوسرا اس سے محروم ہوتا ہے، کوئی انجینئر ہے تو کوئی کامیاب ڈاکٹر، کوئی ماہر وکیل ہے تو کوئی خطابت کا شہسوار، کوئی حکمرانی، بادشاہی یا امارت وسیادت کا حامل ہے، تو دوسری طرف کوئی مزدوری کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔ ایک انسان جسمانی قوت میں اوپر ہے تو دوسرا نہایت ہی کمزور ہے۔ اسی طرح خارجی امور کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قدرتی لحاظ سے اس میں بھی مساوات نہیں ہے۔ ایک مالدار اور بڑا سرمایہ دار تو دوسرا فقیر اور محتاج ہے، ایک شخص کے بے شمار اعوان، انصار، عزیز واقارب، خاندان وقبیلہ کے بے شمار افراد ہیں جو ہر معاملے میں اس کے ساتھ ہوتے ہیں تو دوسرے بیچارے کا کوئی یار ودوست نہیں ہوتا۔ ایک طاوسی تخت کی زینت بنا ہوا ہے تو دوسرے کو کوئی جوتوں کی جگہ پر بیٹھنے نہیں دیتا۔ درحقیقت یہ اختلاف اس عالم کی زیب وزینت ہے جس طرح شاعر ذوق نے کہا ہے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

مگر یہ اختلاف مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی ہے۔ اس لیے کہ زندگی کا ہر شعبے میں انسان کی آزمائش ہوسکے جس طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں :

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (الانعام :١٦٥)

''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے ہی بعض سے بعض کو بلند کیا تاکہ جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس کے متعلق تمہاری آزمائش کرے۔''

ظاہر ہے کہ اگر دنیا کے تمام انسان غنی اور مالدار ہوتے تو مالی یا اقتصادی اور اجتماعی تعاون کے لحاظ سے ان کی کس طرح آزمائش ہوتی؟ اگر سارے طاقتور ہوتے یا سارے بے پرواہ ہوتے تو کسی محتاج یا کمزور، بیوہ اور مسکین کی مدد کر کے اس خوبی اور کمال کو انسان ذات کس طرح حاصل کرتی؟ حالانکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا ابتلاء ہونا تھا، اسی طرح اندرونی قوتوں میں بھی مساوات ہوتی۔ ایک دوسرے کا برو تقوی میں تعاون کا سلسلہ ناپید ہوتا تو پھر کسی انسان کو کسی بھی صفت کی تعریف وثنا کا موقع ہی نہ ملتا۔ دنیا ایک خشک اور بہجت ورونق سے عاری ایک اکتانے والی یکسانیت کا بے ڈھنگہ نمونہ بن جاتی۔ ہم انسانوں کی یہ حالت ہے کہ کسی بھی معاملے یا کام یا امیر میں یکسانیت کو ہرگز پسند وبرداشت نہیں کرت۔ اسی لیے مالک الملک نے ہماری زندگی کو نیک دلچسپ نمونہ عطا کیا ہے، جس کے کسی بھی شعبے میں یکسانیت نہیں ہے۔ اللہ اکبر! اور اسی اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے اعمال، عقائد، تصورات لائحہ عمل طریقہ کار حتی کہ نیک وبد میں بھی بڑا فرق اور تفاوت وجود میں آگیا جو ابتلاء کے لیے اختیار دے کر اس عالم رنگ وبو میں انسان کو بھیجنے کا لازمی نتیجہ تھا۔

ح :۔۔۔۔۔۔جب انسان کے تمام افراد کی فطرت صالح وسالم تھی تو پھر وہ خیر وشر میں کیسے تقسیم ہوا؟اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے اس دہری تقسیم کے بھی کئی اسباب ہیں، مثلاً ماحول سوسائٹی خاندانی رسوم وروایات، بری صحبت اور ساتھ۔ جس میں زیادہ لیاقت تھی وہ بارگاہ الٰہی میں زیادہ مقبول ہوا یا کسی دنیاوی اعلیٰ مرتبے پر فائز مگر دوسرے میں وہ لیاقت نہ تھی یا کم تھی اس کو پہلے کے مرتبہ ومقام پر حسد ہوا اور تیجتاً اس کوئی نہایت ہی غلط قدم اٹھا اور اپنے محسود کی جان کے درپے ہوا یا اسے نقصان پہنچانے کی سوچنے لگا۔ ایک کو جسمانی طاقت بے پناہ ملی ہوئی تھی، جس نے اسے اختیار کے مطابق اس کو غلط استعمال کیا اور اپنے کتنے ہی ہم نوعوں کی تباہی کا باعث بنا، کسی کو کوئی جسمانی ضرورت تمام زیادہ لاحق ہوئی مثلاً بھوک اور بدحالی وغیرہ یا جنسی ضرورت پوری کرنے کے لیے فوری کوئی ذریعہ نہ تھا، اس نے بجائے صبر کرنے کے بھوک مٹانے کی خاطر چوری کی یا ناجائز جگہ پر اپنی جنسی ضرورت کو پورا کرنا چاہا اسی طرح کئی دوسری امثال پیش کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح ان دو بلاکوں میں تقسیم ہونا ناگزیر تھا، لیکن یہ سب کچھ قدرت کی طرف سے آزمائش تھی کہ بھوک اور بدحالی میں صبر کرتا ہے یا دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔ بے حد ضرورت میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے یا نہیں جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ حقیقت میں انسان کا کمال بھی اس میں ہے کہ وہ اس دنیا میں رہے اس کے اسباب مال ومتاع، اہل وعیال تمام باتوں سے دلچسپی رکھے اور پھر بھی اللہ کو راضی رکھے ورنہ اگر کوئی تارک دنیا ہو کر بیٹھ جائے تو اس میں کیا کمال ہے، قرآن نے تو انہی لوگوں کو سراہا ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی رکھتے ہیں۔ فرمایا :

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (النور:۳۷)

''وہ لوگ جو اپنے کاروبار میں معروف ومشغول بھی ہیں تاہم اس حالت میں بھی اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔''

نبی ﷺ نے خصی ہونے سے منع فرمایا ہے کیونکہ خصی آدمی میں برائی کی قوت ہی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اگر برائی نہیں کرتا تو اس میں کیا کمال ہے اور اس کی کس طرح آزمائش ہوگی، کمال تو اس میں ہے کہ انسان میں طاقت مردانی بے پناہ ہو اور وہ اس کو ناجائز جگہ پر استعمال نہ کرے محض اللہ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے۔ اس کو راضی رکھنے کے لیے ایسے کام کے قریب بھی نہیں جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس معاملے میں بڑی تعریف کی ہے اور فرمایا : ''وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔'' (یوسف)

اسی طرح انسانی خوبیوں اور خامیوں کے موروثی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ والدین کی جسمانی یا روحانی مادی یا معنوی خوبیاں اور خامیاں اولاد کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض بیماریاں بھی موروثی ہوتی ہیں، آج کل ''نفسیات'' (PsyChology) کے ماہرین کی بھی یہ تحقیق ہے کہ اولاد کی طرف آباواجداد کی صفتیں یا خصائل منتقل ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : ''حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو اس کے اولاد میں یہ بات چلی، ان سے بھول ہوئی تو اس کی اولاد میں یہ بات چلی آرہی ہے۔ وغیرہ وغیرہ'' گویا ضروری اور حتمی نہیں ہے کہ خاندان یا والدین کی خصوصیتیں بالضرور اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہوں، بلکہ نہیں بھی ہوتی۔ مقصد کہ یہ بھی ایک سبب ہوتا ہے جو گاہے بگاہے بعد کی اولاد کے سدھارے یا بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ میرا ایک چشم دید واقعہ ایک مزدور کی دو بیویاں تھیں، انسان کتنی بھی کوشش کرے لیکن دل کا میلان ایک کی طرف ہوتا ہے برابری اس معاملے میں ناممکن ہوتی ہے۔ اس آدمی کی دونوں بیویوں سے اولاد تھی۔ ایک بیوی سے زیادہ محبت اور دوسری سے تھوڑی کم محبت تھی، جس کی وجہ سے ایک بیوی کو دوسری پر زیادہ غم اور غصہ تھا اندر ہی اندر غصہ کی لہر موجود تھی۔ ایک دن وہ مرد اپنے چھوٹے بیٹے (جو زیادہ محبت والی بیوی سے تھا) کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تھا اور ساتھ ہی دوسرے کندھے پر دوسری بیوی کا چھوٹا بیٹا تھا، خاوند نے دوسری طرف توجہ کی تو چھوٹے بیٹے نے جو دوسرے آدمی کے کندھے پر تھا وہ اپنے دوسرے بھائی کا بازو پکڑ کاٹنے لگا (دانتوں سے) تو باپ نے دیکھ لیا اور اس سے چھڑایا، یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ کیا عجیب معاملہ ہے کہ ماں کے غم اور غصہ کا اثر چھوٹے بچے پر بھی نمایاں ہے، اللہ کی قدرت سے وہ بچہ پھر جلد ہی فوت ہوگیا، چونکہ دوسرا بیٹا اس سے چھوٹا تھا اس سے گمان ہو رہا تھا کہ اس عمر میں اگر اتنا غصہ ہے دوسرے بھائی پر تو بڑا ہو کر پتہ نہیں کیا کرے گا۔ دونوں مائیں اعلیٰ پوزیشن کی تھیں مرد بھی بڑی حیثیت کا تھا اور دوسری بیوی جس سے کم محبت تھی وہ خاندانی لحاظ سے ان دونوں سے بہتری تھی، اگر خدانخواستہ وہ بچہ ہوتا تو پتہ نہیں دوسرے بھائیوں کا کیا حشر کرتا لیکن عالم الغیب والشہادۃ نے اس کو پہلے ہی بلالیا۔

ط :۔۔۔۔۔۔کوئی بھی آدمی کوئی کارخانہ بناتا ہے یا کوئی میکینک یا مشین وغیرہ بناتا ہے تو اسے ان کے متعلق مکمل معلومات رہتی ہے، مثلاً کارخانہ میں فلاں چیز کہاں پر ہے یا کہاں رکھی جائے یا فلاں پرزے کا کیا کام ہے اس کی کارکردگی میں کیا کیا موانع ہوتے ہیں یا پیدا ہونے کے امکانات ہوتے ہیں، اس لیے وہ ان کی مرمت وغیرہ کے لیے اوزار اور آلات کو تیار رکھتا ہے تاکہ بوقت ضرورت ان کی فوری اصلاح ہوسکے، اگر کسی میں کوئی نقص یا خرابی پیدا ہوتی ہو تو فوراً سمجھ جاتا ہے، فلاں پرزے میں خرابی ہے تو کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس نے یہ

کائنات پیدا کی ہے ۔ اس کو اس کے بارے میں یہ علم نہیں تھا یا نہیں ہے ؟ ایسی بے ہودہ بکواس کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے کسی دوسرے میں جرات نہیں ہو سکتی، لیکن انسان کے اندر علم اور اندازے کی ایک حد اور انتہا ہوتی ہے وہاں پہنچ کر اس کا علم اور اندازہ ختم ہو جاتا ہے مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم وسیع وعریض ہے جس کا اندازہ لگانے سے بھی انسان عاجز ہے ۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم اور انسان کے علم میں یہاں فرق اور امتیازات ہیں وہاں یہ بھی ایک اہم فرق اور امتیاز جہاں انسان کو کسی پرزے میں نقص یا خرابی پیدا ہونے کا اندازہ خرابی پیدا ہونے کے بعد ہوتا ہے ، وہاں اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے ہی علم ہوتا ہے کہ دنیا کی فلاں چیز میں فلاں وقت یہ نقص یا خرابی پیدا ہوگی اور اس کے اسباب کا بھی پہلے ہی علم ہوتا ہے ۔ اس خیر وشر کے یہ اسباب ہوتے ہیں ، اس نکتہ کو خوب ذہن نشین کر لیں ۔

ی : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب کوئی اسکیم بنائی جاتی ہے تو اس کا نقشہ اور خاکہ ذہن میں بٹھایا جاتا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ اسکیم تیار کرنے والوں کے ذہن میں اس کے نتائج یا اس کو عمل میں لانے سے جو ارد گرد کے ماحول میں اثرات مرتب ہوتے ہیں وہاں یہ بھی ذہن میں موجود ہوتے ہیں جن کو بعد میں کاغذ پر منتقل کیا جاتا ہے ، پھر اس کو عمل میں لانے کے لیے تیاریاں کی جاتی ہیں اور اس کی شروعات ہوتی ہیں ، لیکن انسان کا علم محدود ہوتا ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی نتائج اس کے منصوبے کے خلاف آتے ہیں یا اندازے سے کم ہوتے ہیں یا ان کے ساتھ کئی دوسرے نتائج بھی پیدا ہو جاتے ہیں ، جو اس کے ذہن میں نہیں ہوتے ۔ بسا اوقات وہ پوری اسکیم فیل ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے مقرر منصوبے میں اس قسم کے نقص یا خرابی کا پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے ۔

ان دس نکات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں ، تقدیر کا معنی ہے اندازا ۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ارادہ کیا کہ اس عالم کو تخلیق کیا جائے اس کے متعلق پروگرام اور اسکیم اس کے علم میں موجود تھی جس کی تفصیل (گذشتہ نکات کی روشنی میں) اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ایک ایسی دنیا وجود میں لائی جائے جس کے وجود میں آنے کے بعد ہی اس کی مخلوق کو معرفت یا پہچان حاصل ہوگی اور مخلوق کو بھی پتہ چلے گا کہ اس کا بھی کوئی ایک رب وحدہ لاشریک لہ ہے ۔ جس نے اپنی پہچان اور صفات حمیدہ کے ظہور کے لیے اس دنیا کو پیدا کرنا چاہا ، جس میں ایسی مخلوق پیدا کرنا کا ارادہ کیا جس کے پیدا ہونے کے بعد اللہ کی صفات کا بوجہ اتم ظہور ہوا اور وہ مخلوق ایسی ہو حاجت عقل واختیار ہو مجبور محض نہ ہو اپنے ارادے سے خیر وشر کی راہ لے سکے پھر ان کو ارادے کی آزادی دے کر امتحان میں بتلا کیا تا کہ ان تمام صفات وغرض وغایات کا ظہور ہو ۔ (جن کی تفصیک نکات کے ضمن میں گزری) اس مخلوقات دنیا کے متعلق پورا خاکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس عالم میں جو مخلوق پیدا کروں گا وہ اپنے اختیار وارادے کی آزادی کے سبب لازمی طور چند بلاکوں میں بٹ جائے گی اور اس کے یہ نتائج لامحالہ اٹل طور پر نکلیں گے جو ان اعمال کے نتائج ہوں گے ، جس طرح مادیات کے بھی نتائج مشاہدے میں آتے ہیں یعنی کوئی اگر زہر کھاتا ہے تو ضرور مر جاتا ہے ، کوئی مقوی چیز کھاتا ہے تو اس سے اس کی قوت اور طاقت ملتی ہے بعینہ اسی طرح اعمال کے بھی اللہ تعالیٰ نے نتائج مقرر کر دیے ، اچھے کام کا تیجہ یہ اور برے کام کا یہ تیجہ نکلے گا اور مخلوق کو ارادے کو عمل میں لانے کی آزادی دے کر اس کی آزمائش کر لوں گا تا کہ اپنے اختیار سے وہ جو چاہے کر سکے اس کو مجبور محض نہیں بناوں گا کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی بھی کام نہ کر سکے کیونکہ یہ امتحان اور ابتلاء کے منافی ہے اور وہ جس بھی راستہ کو اختیار کرے گا اس کے اسباب بھی فراہم کیے جائیں گے ۔ جو خیر کے لیے کوشاں ہوگا اس کے لیے بھی راہ ہموار ہوگی اور جو شر کی طرف مائل ہوگا اس کے لیے بھی دروازے کھلے ہوئے ہوں گے ۔

فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۷ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۱۰ (اللیل: ۷' ۱۰)

کیونکہ آزمائش اس کے بغیر ناممکن ہے جس کی تفصیل نکات میں گزر چکی ہے ۔ اللہ تعالی کو اس دنیا کے نقشے کے مطابق یہ بھی علم تھا کہ اگر اس کی فطرت سالم ہوگی تاہم اس کو یہ اسباب سامنے آئیں گے ، یہ حالات درپیش آئیں گے ، ان مسائل سے دوچار ہوگا ، اس کو یہ صحبت میسر ہوگی جس کا ساتھ دینے کے لیے یہ خاص امور سامنے آئیں گے ، جس کی وجہ سے یہ یہ بلاک وجود میں آئیں گے ان کے اس حسن اختیار یا سوئے (برا) اختیار اور غلط انتخاب کا لازمی تیجہ یہ ہوگا ۔

حاصل کلام کہ اس دنیا کے متعلق پورا نقشہ کہ یہ آسمان کے اوپر چھت اور فرش کے لیے زمین اور باقی ضروریات کے لیے پہاڑ ، دریا ، باغ باغیچے اور زمین کے اندر معدنی اشیاء کہاں ہوں گی یا کہاں پر زیادہ ہوں گی اور روشنی کے لیے سورج اور چاند وستارے وغیرہ ہوں گے ان سب کے لیے خاص دائرہ یا جگہ یا حلقہ مقررہ ومعین ہوگا اس کرہ ارض میں سمندر اور دریاوں کی وراثت کس طرح ہوگی ؟ خشکی کی اراضی کس طرح ہوگی ؟ سورج زمین سے کتنا دور ہونا چاہیے ؟ زمین پر موسموں کا اندازہ اور تقسیم ہونی چاہیے پھر ان موسمی مضر اثرات سے بچاو یا دوسری کائناتی نقصان کار اشیاء سے بچنے کے لیے کیا تدابیر ہونی چاہیے ؟ اس کے متعلق اللہ تعالی کا علم واندازہ بہر حال اس بڑے گھر جس میں ضروریات کی تمام چیزیں موجود ہوں اس کے مکمل

منصوبے کے بعد اس میں باارادہ مخلوق کو بسانے اوراس کے لسلی اضافے کے ان کا کرہ ارض کے مختلف خطوں اورعلاقوں میں آباد ہونا اوراس کے بعد اس کے ماحول حالات وکیفیات میں اختلاف کے سبب اسی مخلوق کے احوال واعمال کرنا، بودوباش میں اختلاف ہوگااورجن کوجہاں خاص امورسے دوچارہوناپڑے گا، اس کے مطابق خودکوان حالات کے مطابق بنانے کی کوشش کرے گا، کچھ ناگزیراسباب کی وجہ سے ان کے عقائدواعمال اخلاق وغیرہ میں اختلاف ہوگا۔ جس کی وجہ سے منافرت اورایک دوسرے کے مقابلے بھی ہوں گے اورکئی وجوہ کی بناپروہ برائیوں اوربداخلاقیوں میں بھی سب گرفتارہوں گے ، لیکن اللہ تعالی اپنی حجت پوری کرنے کےلیے ان پرانبیاء بھیجے گاجونا کوشر سے خیر کی طرف آنے کی دعوت دیں گے اورجنھوں نے ان کی بات کومانا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے اورجنھوں نے ان کی بات کونہ مانا وہ تیجتا بڑے وبال سے دوچارہوں گے یعنی اسی طرف اللہ تعالی کونہ صرف کلی یااجمالی طرح بلکہ تفصیلی اورہرجزکا علم تھاکہ اس آدمی کویہ باتیں پش آئیں گی۔

جس کی وجہ سے یہ ہدایت یافتہ ہوگااوریہ اسباب سامنے آئیں گے جس کی بناپروہ گمراہ ہوگا۔

اس سے یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ اللہ تعالی نے خوداس کواس راستے پرچلایایاخوداس سے یہ گناہ کاکام کروایابلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے انسان کوآزمانے کےلیے ارادہ کوعمل میں لانے کےلیے آزادی دی ہے جس کےنتیجے میں لامحالہ وہ طریقے وجودمیں آنے تھے اوروجودمیں آئے کہ جن کے نتائج بھی لازمی نکلنے تھے مطلب کہ اللہ تعالی نے انسان کوعمل کی آزادی دی ہےتاکہ اس کوآزمایاجائے اورانسان اس آزادی سے کوئی بھی کام لے چاہے اچھالے یابرا۔ اپنی مرضی اورارادے سے اللہ تعالی نے اتنا کیا ہے کہ ایسانظام قائم کردیا ہے جس سے انسانی ارادے کی آزادی بھی برقراررہتی ہے اورآزمائش کی صورت بھی عمل میں جاتی ہے۔

فرض کریں کہ کسی آدمی کے چند نوکریاملازم ہوں یاچندبیٹے ہوں وہ ان نمونے اورطرزعمل سے اندازہ لگالیتا ہے کہ فلاں خادم فرمانبردارہے یافلاں بیٹافرمانبردارہے، لیکن اگروہ محض اپنے اندازے کے مطابق ان کے ساتھ نافرمانوں والاسلوک کرے گاتووہ کہہ سکتے ہیں کہ باباسائیں ہمیں آزمالیتا، بغیرآزمانے کے ہمارے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے یایہ سزادیتا ہے ان کی اس حجت کوختم کرنے کےلیے ان پرکوئی کام رکھتا ہے یاان کوکوئی ذمہ داری دیتا ہے، پھروہ فرمانبرداری یانافرمان اس ذمہ داری پوری کرنے یانہ کرنے کی وجہ سے مالک یاباپ کی طرف سے مناسب سلوک یاجزاوسزاپالیں توان کویہ حق کہاں ہے کہ وہ کہہ دیں ہم ایسے ہیں اس لیے اس کے علاوہ کیا بن سکتے تھے۔

کیونکہ اس آدمی کا علم ان کے طرزعمل کے سبب تھا، لہذااس علم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نے ان کو مجبورکیا، اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالی نے توتمام انسانوں کی فطرت صحیح سالم پیداکی ہے، لیکن اس دنیا میں آنے کے بعد اس عالم کے جواسباب اس کے سامنے آئے ہیں ان کواپنی مرضی سے اختیارکرنے کے سبب وہ نتائج اس کے دامن میں پھنس جاتے ہیں، یہاں ہم انسانوں کولوگوں کے طرزعمل سے اندازہ ہوجاتا ہے لیکن وہ طرزعمل کس سبب سے ہواوہ کبھی معلوم ہوجاتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالی کومعلوم ہے کہ اس کویہ اسباب سامنے آئیں گے جس وجہ سے وہ اپنی آزادی کے اختیارکے مطابق اس کواپنائے گااورنتیجہ بھگتے گا، تویہ آزادی آزمائش کےلیے ضروری تھی۔

دوسری مثال : ایک ماہرڈاکٹرکسی مریض کے چیک اپ کے بعد اس کوکہہ دے کہ یہ نہیں بچے گاپھروہ آدمی واقعتا مرگیا توکیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اس ڈاکٹرنے اس کو مارڈالا ہے؟ ہرگزنہیں !ڈاکٹرتواس کی بیماری کی نوعیت اورکیفیت ڈگری اوردرجے کے علم کے مطابق اس بات کا اظہارکیا البتہ یہ بیماری اس اسٹیج پرکیسے پہنچی یاشروع کیسے ہوئی اس کا پتہ کبھی کبھی ہوتا ہے توکبھی کبھی نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالی کوہرانسان کی جسمانی یاروحانی بیماری کا علم ہوتا ہے اوراس کے پیداہونے کا بھی علم ہوتا ہے توکیا یہ علم اعتراج جیسی بات ہے؟

بہرحال اس عالم کا اس مکمل نقشے یاخاکے کے علم اوراندازے کے بعداللہ تعالی نے اس کوایک کتاب میں ثبت کردیا ہے جس کووہ ''قرآن مبین ''یا''امام مبین '' سے پکارتا ہے، مطلب کہ تقدیرکی معنی ہے علم یااندازہ تواس میں کیا خرابی ہے؟ اس سے تواللہ سبحانہ وتعالی کے علم اوراندازے کی وسعت معلوم ہوئی جوکہ اس کی کمال کی صفت ہے اس میں کوئی بھی خرابی نہیں ہے۔ یہاں اگراللہ تعالی یہ لکھ دیتے کہ فلاں بندے تونے یہ کام کرنا ہے اورفلاں تونے یہ کام کرنا ہے تواس صورت میں کچھ بولنے کی گنجائش ہوسکتی تھی لیکن اس طرح نہیں، اس نے تویہ لکھا ہے کہ فلاں آدمی ان وجوہات کی بناپراپنی آزادی سے کام لے کریہ کام کرے گاخدارا انصاف کریں اس میں کیا خرابی ہے؟ کہ کون سی اعتراض جیسی بات ہے؟

جب کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالی کے علم وحکمت، تقدیری اندازے کا بے اندازاور بے شمار ثبوت فراہم کررہا ہے، توانسان کے متعلق اس کے علم واندازے کا انکار کیوں؟

یہاں پر یہ سوال بالکل فضول ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کیوں انسان کے سامنے یہ مختلف اسباب لائے ہیں جن کی وجہ سے وہ خیر اور شر کے مختلف حصوں میں تقسیم ہوگئے ہیں کیوں نہ ان کے سامنے ایک ہی راستہ لائے؟ اس لیے کہ اس صورت میں انسان مشینی صفت کی ایک مخلوق ہوتا اور ایک ہی راہ کو لے چلتا اور اس میں اس کے ارادے یا عمل کا کوئی دخل نہ ہوتا، اس حالت میں امتحان یا آزمائش والی بات سراسر مہمل اور بیکار ہوجاتی کہ اس کو کسی راستے اختیار کرنے کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے اس لیے آزمائش کس چیز کی؟ بہرحال ابتلاء اور آزمائش اور کے لیے دونوں راستوں کا ہونا اور انسان کے سامنے پیش آنا اٹل اور ضروری تھا تاکہ ان میں خود جس کو چاہے اس کو اختیار کرلے، دنیا کمال حاصل کرلے یا اپنی لیاقت اور صلاحیت کو ضائع کرکے ترقی اور فلاح کا دروازہ خود ہی بند کردے۔ یہ حقیقت اس قدر واضح ہے جس کا انکار سوائے ضد اور عناد کے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہاں پر یہ سوال بھی قابل دریافت ہے کہ تقدیر کے متعلق سوالات ملحد (اللہ تعالی کے وجود کا انکاری) ان کی طرف سے پیش ہوئے ہیں یا کسی مسلمان جاہل کی طرف سے، اگر پہلی شق ہے تو درحقیقت ان سوالات کے جوابات دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تقدیر یا علم واندازہ یہ اللہ سبحانہ وتعالی کی صفت ہے جو شخص اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود ہی کا منکر ہے اس کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالی کی صفت کے بارے میں بحث کرنا سراسر بیکار اور فضول ہے، بحث ومناظرے کے طریقے بھی برخلاف ہے تو وقت کا بھی ضیاع ہے۔

صفت کی ذات کی فرع ہوتی ہے، جب کوئی ذات ہی کو نہیں مانتا تو اس کی صفت یا خوبی اور کمال پر بحث کرنا یا اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے چھان بین کرنا سراسر غیر معقول ہے۔ ان حضرات کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالی کی ذات کے بارے میں بحث کرتے ہوئے دلائل پیش کرنے چاہیئں۔ پھر جب وہ اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود کے دل سے اقراری بنے تو پھر صفات کے متعلق تحقیق ہونی چاہیئے اور حق کو معلوم کرنا چاہیئے۔ یہ حضرات تو اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود کے ہی منکر ہیں۔ باقی ایسے سوالات صرف لوگوں کو سمجھانے کی خاطر کرتے رہتے ہیں یہ طریقہ کار درست نہیں ہے اس طرح حق واضح نہیں ہوگا۔

لیکن اگر یہ سوال کسی جاہل مسلمان کی طرف سے ہے تو اس کو حکمت موعظہ حسنہ اور نرم وشریں الفاظ میں پوری حقیقت سمجھانی چاہیے کہ ''بھائی تقدیر کا معنی ہے اللہ سبحانہ وتعالی کا اندازہ یا علم، لہذا اگر قائل نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا معبود اللہ سبحانہ وتعالی جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا اور کائنات کے ذرے ذرے میں بے شمار حکمتیں رکھیں جس کے قلیل انداز کو اہل علم وسائنس روز بروز کائنات کے مظاہر سے اخذ اور استنباط کرتے رہتے ہیں۔ یہ معبود (معاذاللہ) کوئی جاہل معبود نہیں جس کو کوئی پتہ ہی نہیں ہے کہ اس کی پیدا کردہ مخلوق کیا کام کررہی ہے یا کرے گی، یعنی نعوذ باللہ اس نے صرف اس مخلوق کو پیدا کردیا باقی اس کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ اس میں صلاحیتیں اور لیاقتیں ہیں اور ان استعداد کے موجب ان سے کون سے کام صادر ہوں گے، حالانکہ کوئی بھی انسان کوئی چیز یا مشین وغیرہ ایجاد کرتا ہے تو اس کو یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ یہ چیز کس کام کی ہے اس سے کیا فائدے اور کیا نقصانات ہوں گے، مگر اللہ تعالی کے متعلق یہ نہایت بدترین اور گھٹیا تصور ہے کہ اس کو کوئی پتہ ہی نہ تھا۔ (فیا للعجب)

اس تھوڑی سی حقیقت پر نظر ڈالو گے تو زیادہ الجھن اور خسارے سے بچاو ہوجائے گا۔

اس سوال کا جواب زیادہ لمبا ہوگیا ہے، لیکن کیا کریں میرے خیال میں اتنی تفصیل میں جائے بغیر سوال کا جواب شاید سمجھ میں نہ آتا۔ بہرکیف سوال کا جواب آپ کے سامنے ہے اگر ٹھیک ہے، تو یہ اللہ سبحانہ وتعالی کی مہربانی ہے جس نے مجھے اس کا علم دیا اور اس کے لکھنے کی توفیق دی اور اگر خدانخواستہ صحیح نہیں ہے تو یہ میرے نفس کی نادانی اور قلم کی کمزوری ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ راشدیہ

صفحہ نمبر 167